(٩)

درسِ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترتیب وتسوید: جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

گزشتہ سے پیوستہ

اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کے وعدے

سورۃ محمدؐ کی ابتدائی چار آیات کا مطالعہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب آگے چلئے! فرمایا سَیَهۡدِیۡهِمۡ وَ یُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ○ "اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان کو راہ یاب فرمائے گا۔ ان کی راہنمائی فرمائے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرما دے گا"۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو اہل ایمان ہیں' کامیاب کرے گا اور جنت جو کامیابی کی سب سے بڑی جگہ اور 'الفوز العظیم' ہے' وہاں تک پہنچا دے گا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ہدایت کے معنی راستہ دکھانا بھی ہے' اس پر چلنے کی توفیق دینا بھی ہے اور منزل تک پہنچانا بھی ہے۔ تو گویا یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راہ حق میں مقتول ہونے والوں کو ان کی منزلِ مراد تک پہنچا دے گا۔ ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی دے دی۔ وَ یُصۡلِحُ بَالَهُمۡ "اور ان کے احوال درست فرما دے گا" یعنی اگر کوئی خطا ہو گئی تھی تو معاف فرمائے گا۔ عمل میں اگر کوتاہیاں رہ گئی تھیں' تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی تلافی فرما دے گا۔ اور اللہ کے اس فضل اور انعام کا نتیجہ اس صورت میں نکلے گا کہ وَ یُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ "اور وہ ان کو داخل کرے گا اس جنت میں جس کی ان کو پہچان اس نے پہلے ہی کرا دی تھی۔ جس سے وہ پہلے ہی سے واقف اور متعارف کرا

دیئے گئے تھے"۔ جنت کی نعمتوں اور آسائشوں کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں بھی آئے گا پھر مکی قرآن مجید نازل ہو چکا تھا۔ جس میں جنت کی نعمتوں کا بار بار ذکر ہے...... سورۂ الرحمٰن پڑھیے، سورۃ الواقعہ پڑھیے تو جنت کی نعمتوں کا ایک ہلکا سا نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ ہلکا سا نقشہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ جنت کی نعمتوں کے لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

مالا عین رأت و لا اذن سمعت و لا علیٰ قلب بشر خطرت "اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے جنت کی نعمتیں وہ ہیں کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی انسان کے دل میں اس کا کوئی خیال تک آیا۔" تو یہاں فرمایا۔: وَ یُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○

نصرتِ الٰہی کے حصول کا یقینی طریقہ، نصرتِ خدا اور رسولؐ

اب ایک اہم آیت آ رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی نصرت فرمانے کا ایک یقینی ضابطہ، قاعدہ، اصول اور اپنی ایک مستقل سنت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو (کفار کے مقابلہ میں) مضبوطی سے جمادے گا۔"

اس آیت مبارکہ کی تفہیم کے لئے اس کے شانِ نزول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ مجھے ان مفسرین سے اتفاق ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یہ سورتِ مبارکہ غزوہ بدر سے متصلاً قبل نازل ہوئی ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ بدر کے اثناءِ سفر میں اس سورۃ کا نزول ہوا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کا پیش منظر غزوہ بدر ہے جو وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ اہلِ ایمان کو معلوم ہے کہ جس لشکر سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے اس کی تعداد ایک ہزار ہے، وہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہے۔ اس کے ساتھ دو سو گھڑ سواروں کا دستہ ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے لشکر کی کیفیت یہ ہے کہ ان کی تعداد صرف تین سو تیرہ ہے۔ دشمن کی تعداد کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کچھ کم۔ لشکر میں صرف دو گھوڑے ہیں۔ ہتھیاروں کا حال یہ ہے کہ کسی کے پاس تلوار ہے تو ڈھال نہیں۔ کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں۔ کسی کے

پاس تیر کمان ہے تو اس کے پاس نہ نیزہ ہے' نہ تلوار ہے نہ ڈھال ہے گویا اسلحہ کے اعتبار سے بھی دشمن کے مقابلے میں بے سروسامانی کی سی حالت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل ایمان کا یہ لشکر بلکہ جسے لشکر کے بجائے دستہ کہنا مناسب ہو گا' مدینہ سے کسی بڑے لشکر سے مقابلہ کے لئے نکلا ہی نہیں تھا۔ مدینہ سے روانہ ہونے کے موقعہ پر تو اُس تجارتی قافلہ پر تاخت پیش نظر تھی جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا۔ جس کے ساتھ صرف پچاس کی مسلح نفری بطور محافظ تھی۔ مدینہ سے کافی دور نکل جانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابو سفیان کی ہنگامی درخواست پر مکّہ سے ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل پوری طرح مسلح لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور اس کے نتیجہ میں ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کے بجائے مکہ سے روانہ ہونے والے لشکر کی طرف چلنے کا فیصلہ ہوا۔ جس کا قدرے تفصیل سے ذکر میں پچھلی نشستوں میں کر چکا ہوں۔

اس تناظر میں دیکھئے کہ اہلِ ایمان کی یہ تشویش فطری تھی کہ مقابلہ برابر کا نہیں ہے۔ نہ تعداد کے لحاظ سے نہ سامانِ جنگ کے اعتبار سے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھارس بندھائی جا رہی ہے' تسلی دی جا رہی ہے کہ تشویش کیوں کرتے ہو! تم اللہ کے دین کی سرفرازی کے لئے نکلے ہو اگر تمہارے عزائم میں' تمہارے ارادوں میں خلوص ہے تو اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔ تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا..... اور دشمن کے مقابلہ میں تمہارے قدموں کو ثبات عطا فرمائے گا۔

اللہ کی نصرت کس معنی میں!

اللہ تعالیٰ کی صفات کمال لامتناہی ہیں۔ وہ القدیر بھی ہے العزیز بھی۔ وہ القوی بھی ہے اور فعال لّما یرید بھی۔ وہ الغنی بھی ہے اور الصمد بھی۔ اسے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے کسی مدد' کسی نصرت کی حاجت نہیں ہے۔ یہ تو اس کی شانِ کریمی و رحیمی ہے کہ وہ اپنے دین کے غلبہ' اس کی اقامت اور اس کے اظہار کے لئے سعی و جہد' ایثار و قربانی اور محنت و کوشش کرنے والوں کو اپنا انصار قرار دیتا ہے۔ جیسے سورۃ الصف میں فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ "اے اہل ایمان! اللہ کے مددگار بنو" اللہ کی نصرت درحقیقت

اس سے دین کے لئے مجاہدہ کا نام ہے۔ اس کا گہرا تعلق در حقیقت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے ہے۔ آپؐ کی بعثت کا امتیازی وصف قرآن مجید میں تین سورتوں۔ سورہ توبہ ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں ان الفاظ میں بیان ہوا۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ تینوں سورتوں میں ایک شوشہ کے بغیر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ گویا اظہار دین الحق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب خصوصی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرض منصبی تن تنہا ادا نہیں فرما سکتے تھے۔ آپؐ کو اس مشن کی تکمیل کے لئے اعوان وانصار در کار تھے اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صورت میں ایسے فدائین اور ایسے جان نثار عطا فرمائے جو کسی اور رسول کو عطا نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کو اور صحابہؓ کو سورۃ الفتح میں جمع (BRACKET) کیا گیا ہے۔: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ میرے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس سے بڑی مداح اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاں اپنا انصار قرار دیا ہے وہاں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا معین بھی قرار دیا ہے۔

یہ مضمون سورۃ الاعراف میں بھی آیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل ایمان کے تعلق کی بنیادیں چار الفاظ کے حوالے سے معیّن فرمائی ہیں۔

______ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انؑ کی اپنی امت کے لئے رحمتِ خاص کی دعا کے جواب میں بتا دیا تھا کہ میری رحمتِ خاص ان لوگوں کے لئے محفوظ و مختص ہے جو میرے رسول نبی امی کے ساتھ یہ معاملہ کریں گے کہ:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"پس جو لوگ اس رسولِ اُمّی پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر' اس کی عزت و احترام کریں گے اور ان کی نصرت و مدد کریں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے جو ان کے ساتھ نازل کیا جائے گا (یعنی قرآن) تو وہی ہوں گے کامل فلاح پانے والے۔"

نصرت کے اس ضابطہ کو سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۰ کے پہلے حصہ کے حوالہ سے بھی سمجھ لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ اس میں بشارت ویقین دہائی والی بات بھی ہے اور دھمکی والی بات بھی۔ یقین دہانی اور بشارت والی بات یہ ہے کہ : اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ۔ ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا۔'' ظاہر بات ہے کہ جس کا اللہ پشت پناہ اور حامی و ناصر بن جائے تو کیا اس پر کوئی اور غالب آسکتا ہے! ہر گز نہیں۔ دھمکی والی بات یہ ہے کہ : وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ''اگر اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے وہ جو تمہاری مدد کر سکے اس کے بعد۔''

سُنّتِ الٰہی

اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ دنیوی اغراض کے لئے جنگوں کے ضمن میں خالص مادّی سطح پر معاملہ کرتا ہے یہی معاملہ کفار کی آپس کی جنگوں کا بھی ہوتا ہے۔ ایسی جنگوں میں حساب کتاب، مادّی وسائل اسباب، تعداد کی کمی بیشی اور حوصلوں کی پختگی اور کمزوری فیصلہ کن ہوتی ہے۔ خالص دین کے لئے جنگ کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے معیارات بالکل جدا ہیں۔ یہ معیار معلوم کرنا ہے تو حضرت طالوت کا جالوت جیسے باجبروت اور عسکری لحاظ سے نہایت مضبوط لشکر کا انجام دیکھو جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں موجود ہے جہاں مومنین صادقین کا یہ قول نقل ہوا ہے: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ''بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' مومنینِ صادقین کی اللہ اپنے فضلِ خاص سے نصرت بھی کرتا ہے اور ان کو ثبات و استقامت بھی عطا فرماتا ہے۔

غزوۂ بدر کے لئے بشارت کا پہلو

اس آیتِ مبارکہ میں اس لشکر کے لئے جو بدر کے میدان کی طرف قتال فی سبیل اللہ کے لئے جا رہا تھا، فتح و کامرانی کی بشارت اور نوید بھی موجود ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کی سرفروشی اور

جان نثاری کا یہ نتیجہ نکلا کہ تین سو تیرہ کے بے سروسامان لشکر نے مشرکین مکہ کے کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار کے لشکر کو شکستِ فاش دی۔ ستر مشرکین واصل جہنم ہوئے جن میں قریش کے صنادید شامل تھے اور ستر افراد اسیر بنائے گئے جبکہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کے صرف تیرہ افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو یوم الفرقان قرار دیا یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا دن۔

ایک اہم نکتہ

اس آیت مبارکہ پر دوبارہ نظر ڈالئے اور غور کیجئے تو ایک نہایت اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ یہاں اہل ایمان سے جو نصرت اور تثبیتِ اقدام کا وعدہ فرمایا جارہا ہے وہ مشروط ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوطی سے جمادے گا۔" اللہ کی مدد کرنے سے کیا مراد ہے! وہ ہمارے سامنے آچکا ہے کہ اس سے مراد ہے اس کے دین کی سربلندی کے لئے تن، من، دھن لگا دینا..... اگر ہم اپنا مال اور اپنی جان، اپنا وقت، اپنی صلاحیت، اپنی قوت، اپنی توانائی تو دنیا کمانے میں کھپائیں، اور امیدیں یہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکین و کفار کے مقابلہ میں ہماری نصرت فرمائے گا اور دین کا غلبہ آپ سے آپ ہو جائے گا تو اس کے متعلق دوٹوک بات سن لیجئے کہ ع ایں خیال است و محال است و جنون۔ اللہ کا وعدہ مشروط ہے۔ یہ دوطرفہ معاملہ ہو گا۔ تم اللہ کے دین کے لئے محنتیں کرو گے، جہاد کرو گے، قربانی و ایثار سے کام لو گے، رضائے الٰہی کے حصول اور فلاحِ اخروی کے لئے یہ سب کچھ کرو گے تو یقیناً اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم) کی جاں گسل محنت، کوشش، جدوجہد نہ ہوتی۔ اگر راہِ حق میں ایثار و قربانی کا جذبہ نہ ہوتا۔ اگر اللہ کے راستہ میں جانیں فدا کرنے کا ولولہ اور حوصلہ نہ ہوتا، اگر مصائب و شدائد کو جھیلنے، برداشت کرنے کی صلاحیت ان میں نہ ہوتی، اگر راہِ خدا میں صبر و ثبات و استقامت کا جوہر ان میں نہ ہوتا تو خود سوچئے کہ کیا اللہ کا دین غالب آسکتا تھا! محنت، ایثار، قربانی، مال و جان فدا کئے بغیر اگر دین غالب ہو سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہاتھوں ہوتا' جو محبوب رب العلمین ہیں۔ لیکن جب حضورؐ نے اور صحابۂ کرامؓ نے دین کے غلبہ کے لئے سعی وجہد کی گویا اللہ کی مدد کی تو اللہ نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ یہ ہے ضابطہ اور قانون جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْ کُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ گویا بالفاظ دیگر اگر ہم چاہتے ہوں کہ اللہ ہماری مدد فرمائے' وہ ہمارا پشت پناہ بن جائے تو اس کا آسان لیکن یقینی راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائیں

اللہ اور بندے کا تعلق دوطرفہ ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے واضح کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا: فَاذْكُرُوْنِی اَذْكُرْكُمْ۔ "پس تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔ سورہ ابراہیمؑ میں فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِی لَشَدِيْدٌ۔ "اگر اس دنیا میں تم شکر گزار بندے بن کر رہو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرو گے تو جان رکھو کہ میری سزا بھی بہت سخت ہے"۔ معلوم ہوا کہ اگر بندے کا اپنے رب سے تعلق صحیح خطوط پر قائم ہے تو اللہ بھی اپنے بندے کے لئے سراپا رحمت وشفقت ہے۔

آگے چلئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۔ اور جو لوگ اللہ کی توحید کا ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا اور یوم آخرت کا انکار کر رہے ہیں' ان کے لئے بربادی ہے' ہلاکت ہے' تباہی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی ساری سعی وجہد کو' ساری بھاگ دوڑ کو بھٹکا کر رکھ دے گا' بے نتیجہ کر دے گا' غیر مؤثر کر دے گا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے تب بھی اللہ کے دین کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

اِضلالِ اعمال

آٹھ آیات میں اضلال کا لفظ تین مرتبہ آگیا۔ پہلی آیت میں اور اس آیت میں کفار کے لئے آیا "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" اللہ نے ان کے اعمال کو بھٹکا دیا اور چوتھی آیت میں اہل ایمان کے لئے آیا "فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ" اللہ اہل ایمان کے ایمان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔ لیکن ان کفار نے دنیا میں اگر کوئی نیکی کی بھی تھی مثلاً حاجیوں کو پانی پلایا تھا' ان کو کھانا کھلایا تھا' ان کی خدمتیں کی تھیں' وہ سب آخرت میں ضائع ہو جائیں گی چونکہ انہوں نے دعوتِ توحید کا انکار

کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر مظالم ڈھائے حتی کہ ان کے مقابلہ میں سیف بکف میدان میں آگئے۔

احباطِ اعمال

آگے چلئے فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ یہ اضلال اعمال کیوں ہو گا! اس لئے کہ ان کا جرم بہت بڑا ہے۔ انہوں نے اس چیز کو پسند نہیں کیا جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ ان کو عداوت در حقیقت اس قرآن سے ہے۔ ان کی ذاتی دشمنی اور رنجش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہیں ہے۔ یہ بات سورہ الانعام میں بہت زور دار الفاظ میں آچکی ہے کہ اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کیوں غمگین ہوتے ہیں! یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلا رہے' یہ تو ہماری آیات کو جھٹلا رہے ہیں: فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (اے نبی!) یہ لوگ تمہیں تو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم' یہ مشرک اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں"...... انہوں نے آپؐ کو تو کبھی جھوٹا نہیں کہا۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے دعوت توحید کے آغاز سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الصادق اور الامین کے خطاب دیئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ حضورؐ کو نام سے نہیں بلکہ ان کے القاب سے پکارتے تھے اور حضورؐ کا ذکر بھی انہی القاب سے کرتے تھے۔ جاء الصّادق اور جاء الامین۔ ان کے بدترین لوگوں سے جب تنہائی میں بات کی جاتی تھی کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ نعوذ باللہ محمد جھوٹے ہیں! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ حضورؐ کی صداقت کا اعتراف کرتے تھے۔

حضورؐ کے' توحید کے اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کا قول تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ پھر تم انؐ کی دعوت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ انؐ کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اس نے جواب میں کہا کہ معاملہ یہ ہے کہ قریش کے مختلف خاندانوں کے مابین ایک مسابقت چلی آ رہی ہے۔ ہمارا مقابلہ تھا بنو ہاشم سے' ہم ان سے کندھا ملائے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے حجاج کو کھانے کھلائے اور مہمان نوازیاں کیں تو ہم نے بھی اپنے دسترخوان وسیع کر دیئے۔ ہر کام میں ہمارا اور بنو ہاشم کا مقابلہ جاری ہے۔ اب اگر ہم ان کے ایک فرد کی نبوت مان لیں تو

ہمیشہ کے لئے ان کے سامنے ہماری گردنیں جھک جائیں گی۔ ہم ہمیشہ کے لئے ان کے تابع ہو جائیں گے۔ یہ ہمیں کسی صورت میں گوارا نہیں ہے۔ تو "GIVE THE DEVIL HIS DUE" کے مطابق ابو جہل کو اس کا کریڈٹ دیجئے کہ اس نے سچ تو بولا۔ اس نے اس طرح یہ بات تو مان لی کہ درحقیقت اس کا تکبّر حق کو قبول کرنے میں مانع ہے۔ یہی تکبّر تھا یہود کا جو ان کے پاؤں کی بیڑی بن گیا ورنہ قرآن مجید کی گواہی ہے کہ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کو ایسے پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن تکبّر اُن کے آڑے آ گیا۔ یہاں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۝ اب یہاں لفظ احباط آ گیا فرمایا: "یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمائی ہے" کراہت کا لفظ آپ بھی استعمال کرتے ہیں مکروہ چیز وہ ہے جو طبیعت کو نہ صرف یہ کہ پسند نہ آئے بلکہ اس سے طبیعت میں ایک شدید ناگواری پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے کراہت کی ان کفار کو یہ سزا ملی کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال حبط کر دیئے"۔

میں پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں کہ حبط کا استعمال نیکی کے اعمال کے ضائع ہونے پر ہوتا ہے۔ انہوں نے جو حجاج کی مہمان نوازیاں کی تھیں، جس کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ "کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک تو یہ (دونوں) برابر نہیں ہیں"۔ اپنے زعم میں یہ مشرکین سمجھتے تھے کہ ہم اس طرح بڑی نیکیاں کما رہے ہیں۔ یہ فی نفسہٖ نیکی کے عمل ہیں، ہم نے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت رد کر دی تو کیا ہوا!...... اگر کوئی آخرت ہے تو یہ نیکیاں ہمارے کام آئیں گی۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کی جا رہی ہے کہ ان کا دعوتِ توحید سے انکار اور اس کی مخالفت ایسے سنگین جرائم ہیں کہ ان کے وہ اعمال بھی جن کو وہ بڑی نیکیاں سمجھے بیٹھے ہیں، جن پر ان کو تکیہ ہے وہ سب اس جرم کی پاداش میں اکارت اور برباد کر دیئے گئے۔

اممِ سابقہ کے انجام سے عبرت

آگے چلئے، فرمایا: اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں!"

فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ :- "تو یہ دیکھتے کہ ان کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزرے تھے"۔ یہاں بالواسطہ قریش مکہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ تمہارے قافلے شمال کی طرف آتے جاتے رہتے ہیں، تو قوم ثمود کے جو کھنڈرات اس راستہ میں پڑتے ہیں، انہیں تم دیکھتے ہو کہ نہیں دیکھتے؟ پہاڑوں میں تراشے ہوئے محلات کے کھنڈرات اور حضرتِ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا تالاب بھی تمہارے راستہ میں آتے ہیں کہ نہیں آتے!۔ تو کیا تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی کہ اس قوم کا کیا حشر ہوا جو یہاں آباد تھی!۔ ذرا اوپر جاتے ہو تو ثمود کی وہ اجڑی ہوئی بستیاں جو کبھی خوب آباد تھیں، تمہارے راستہ میں آتی ہیں کہ نہیں؟ کیا تمہیں یاد نہیں آتا کہ یہ قومیں کس جرم کی پاداش میں ہلاکت کے انجام سے دوچار ہوئیں؟۔ پھر اصحابِ مدین کی بستیاں بھی اسی راستہ میں آتی ہیں۔ عرب کے جنوب میں احقاف کا برباد شدہ علاقہ ہے۔ تو ان اجاڑ اور ویران بستیوں کو دیکھ کر بھی تمہیں یہ سبق حاصل نہیں ہوتا کہ کبھی تم سے کہیں زیادہ زور آور اور قوی قومیں دنیا میں آباد رہی ہیں۔ لیکن جب ان قوموں نے اللہ کے رسولوںؑ کا انکار کیا، اللہ کی وحی کو ٹھکرا دیا تو ان قوموں کا کیا حشر ہوا؟ کیا تم ان سے عبرت نہیں پکڑتے اور سبق نہیں لیتے! تو درحقیقت آیت کے اس حصہ میں: اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ میں ان تمام قوموں کی طرف اشارہ ہے جن سے قریش اچھی طرح واقف تھے۔۔۔ نیز ان قوموں کے انجام کا ذکر مکّی سورتوں میں تفصیل سے آچکا تھا۔ ان قوموں کو جن عذابوں سے سابقہ پیش آیا انہی کا یہاں بیان ہے آگے فرمایا: دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا "اللہ نے ان کے سارے ساز و سامان کو انہی پر الٹ دیا، ان کی ساری قوت ان ہی پر دے ماری"...... دَمَّرَ کے معنی ہیں تہس نہس کر دینا، ان کافروں کی ہلاکت، بربادی اور تباہی اس صورت میں ہوئی کہ ان کا ساز و سامان انہی پر الٹ دیا گیا۔ انہی کے محلات ان ہی پر پلٹ دیئے گئے۔۔ ذرا سوچئے کہ ہمارے اس دور کی یہ جو سو سو منزل

عمارتیں اگر گریں گی، توانہی انسان کی بنائی ہوئی عمارتوں کے ملبہ میں کتنے ہزاروں انسان ہلاک ہوں آگے فرمایا!...... وَ لِلْکٰفِرِ یْنَ اَمْثَالُهَا۔ یہاں کافرین پر جو "لام تعریف" ہے یہ عہد کالام ہے۔ اس سے مراد ہے کہ تمہارے مقابلہ میں جو کافر ہیں ان کے ساتھ بھی وہی مثالیں پیش آکر رہیں گی۔ ان کا معاملہ مختلف نہیں ہے، ان کو عذاب الٰہی کی پہلی قسط میدانِ بدر میں ملے گی۔ اس کے بعد اور اقساط آنے والی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے لئے وہ صورت بھی آئے گی، جس کا بیان سورہ توبہ میں ہوا ہے کہ ان مشرکین عرب کے لئے قتل عام کا حکم اہل ایمان کو دیا جائے گا۔

اس آخری قسط کا حکم تو ۹ھ میں آئے گا۔ لیکن پہلی قسط ۲ھ میں میدانِ بدر میں آئے گی۔... لہٰذا: وَ لِلْکٰفِرِ یْنَ اَمْثَالُهَا۔ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس تباہی و بربادی سے سابقہ امم دوچار ہوئیں، وہ اِن کافروں کے لئے بھی مقدر ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کر رہے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کی تباہی و بربادی صرف دنیا کی سزا پر ختم نہیں ہوگی، جیسے پچھلی قوموں کی نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں جس طرح ان قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سابقہ پیش آئے گا، اسی طرح ان کافروں کو بھی یہ سابقہ پیش آکر رہے گا...... واللّٰہ اعلم

اللہ ہی اصل حامی وناصر ہے

آگے چلئے فرمایا: ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ۔

یہ انجام کیوں ہوا اور کیوں ہو گا؟ قوم نوحؑ کا، قوم لوطؑ کا قوم عاد و ثمود کا، قوم شعیبؑ کا اور آل فرعون کا تو ہو چکا۔ ان کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے اس لئے کہ اللہ کافی ہے، پشت پناہ ہے، حامی وناصر ہے، مدد گار ہے ان کا جو ایمان لائے۔ اور ان کافروں کا حقیقتاً کوئی پشت پناہ نہیں، کوئی حامی نہیں، کوئی مدد گار نہیں۔ یہ سب بے یار و مدد گار ہیں۔ اپنے ساز و سامان پر ہی اترا رہے ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کا معاملہ ساز و سامان کا نہیں۔ ان کا مولیٰ، ان کا حامی وناصر، ان کا پشت پناہ ان کا اللہ ہے، ان کا مالک ہے، ان کا پروردگار ہے۔

اس آیت مبارکہ میں جو الفاظ آئے ہیں' اس کے متعلق تاریخی اعتبار سے ایک واقعہ نوٹ کر لیجئے ـــــــ غزوۂ احد میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوئی' ستّر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تو حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر جبل احد پر چڑھ گئے تھے۔ اس وقت ابو سفیان کفار مکہ کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ وہ دامن احد میں پہنچ گئے۔ ابوسفیان کو پہاڑ پر چڑھنے کی تو ہمت نہ ہوئی انہوں نے دامن کوہ ہی سے نعرہ لگایا۔ ان کا نام ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ بعد میں ایمان لے آئے تھے ۔ ان کا نعرہ تھا: لنا عزّٰی و لا عزّٰی لکم ۔ اے مسلمانو! ہمارے لئے تو عزّٰی دیوی ہے جو ہماری مدد کرتی ہے' تمہارے لئے کوئی عزّٰی نہیں' کوئی دیوی نہیں' کوئی تمہارا پشت پناہ نہیں ۔ جب اس نعرے کی آواز اوپر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ تم جواب دو: اللہ مولٰنا و لا مولٰی لکم۔ ہمارا مولیٰ اللہ ہے' تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ تمہارے لئے یہ دیوی' دیوتا سراب ہیں: اِنۡ ہِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ ۔ یہ تو چھ نام ہیں جو تم نے گھڑ لئے ہیں' جن کو تم پکارتے ہو' ان اسماء کا مسمّٰی کوئی نہیں ہے' ان کا مصداق کوئی نہیں ہے ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ نعرہ لگانے کا حکم فرمایا کہ: اللہ مولٰنا و لا مولٰی لکم ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ اسلوب اس آیت مبارکہ سے اخذ فرمایا۔ واللہ اعلم

اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج کی نشست میں جتنے حصہ کا مطالعہ پیش نظر تھا' وہ حصہ اس کے فضل و کرم سے مکمل ہوا۔ چار نشستوں میں اس سورہ مبارکہ کا پہلا رکوع ختم ہوا۔ انشاءاللہ العزیز ہم آئندہ نشست سے دوسرے رکوع کے مطالعہ کا آغاز کریں گے۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔